QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

المزمل

(۷۳)

QuranUrdu.com

المُزَّمِّل

نام پہلی ہی آیت کے لفظ اَلْمُزَّمِّلُ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ یہ صرف نام ہے، اس کے مضامین کا عنوان نہیں ہے۔

زمانۂ نُزُول اِس سورت کے دو رکوع دو الگ زمانوں میں نازل ہوئے ہیں۔

پہلا رکوع بالاتفاق مکّی ہے۔ اس کے مضامین اور احادیث کی روایات دونوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ مکّی زندگی کے کس دَور میں نازل ہوا ہے، اس کا جواب ہمیں رِوایات سے تو نہیں ملتا، لیکن اِس رُکوع کے مضامین کی داخلی شہادت اِس کا زمانہ متعین کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے:

اوّلاً، اِس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آپؐ راتوں کو اُٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کریں، تاکہ آپؐ کے اندر نبوّت کے بارِ عظیم کو اٹھانے اور اِس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قوت پیدا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضورؐ کی نبوت کے ابتدائی دَور ہی میں نازل ہوا ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس منصب کے لیے آپؐ کی تَربیَت کی جا رہی تھی۔

ثانیاً، اِس میں حکم دیا گیا ہے کہ نمازِ تہجّد میں آدھی آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش قرآنِ مجید کی تلاوت کی جائے۔ یہ ارشاد خود بخود اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس وقت قرآنِ مجید کا کم از کم اتنا حصّہ نازل ہو چکا تھا کہ اس کی طویل قراءت کی جا سکے۔

ثالثاً، اِس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی زیادتیوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے اور کفارِ مکہ کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رُکوع اُس زمانے میں نازل ہوا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی عَلانیہ تبلیغ شروع کر چکے تھے اور مکہ میں آپؐ کی مخالفت زور پکڑ چکی تھی۔

دوسرے رکوع کے متعلق اگرچہ بہت سے مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بھی مکہ ہی میں نازل ہوا ہے، لیکن بعض دوسرے مفسّرین نے اسے مدنی قرار دیا ہے، اور اس رکوع کے مضامین سے اِسی خیال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس میں قِتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ مکہ میں اس کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا، اور اس میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، اور یہ بات ثابت ہے کہ زکوٰۃ ایک مخصوص شرح اور نصاب کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔

موضوع اور مضامین پہلی سات آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جس

QuranUrdu.com

کارِ عظیم کا بار آپؐ پر ڈالا گیا ہے اس کی ذمّہ داریاں سنبھالنے کے لیے آپؐ اپنے آپ کو تیار کریں، اور اُس کی عملی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ راتوں کو اُٹھ کر آپؐ آدھی رات، یا اس سے کچھ کم وبیش نماز پڑھا کریں۔

آیت ۸ سے ۱۴ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی گئی ہے کہ سب سے کٹ کر اُس خدا کے ہو رہیں جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ اپنے سارے معاملات اُسی کے سُپرد کر کے مطمئن ہو جائیں۔ مخالفین جو باتیں آپؐ کے خلاف بنا رہے ہیں، ان پر صبر کریں، اُن کے منہ نہ لگیں اور ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں کہ وہی اُن سے نمٹ لے گا۔

اس کے بعد آیات ۱۵ سے ۱۹ تک مکہ کے اُن لوگوں کو، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے، مُتَنَبِّہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اُسی طرح تمھاری طرف ایک رسولؐ بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف بھیجا تھا، پھر دیکھ لو کہ جب فرعون نے اللہ کے رسول کی بات نہ مانی تو وہ کس انجام سے دوچار ہوا۔ اگر فرض کر لو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب نہ آیا تو قیامت کے روز تم کفر کی سزا سے کیسے بچ نکلو گے؟

یہ پہلے رکوع کے مضامین ہیں۔ دوسرا رکوع حضرت سعید بن جُبَیر کی رِوایَت کے مطابق اس کے دس سال بعد نازل ہوا اور اس میں نمازِ تہجُّد کے متعلق اُس ابتدائی حکم کے اندر تخفیف کر دی گئی جو پہلے رکوع کے آغاز میں دیا گیا تھا۔ اب یہ حکم دیا گیا کہ جہاں تک تہجّد کی نماز کا تعلّق ہے وہ تو جتنی بآسانی پڑھی جا سکے پڑھ لیا کرو، لیکن مسلمانوں کو اصل اہتمام جس چیز کا کرنا چاہیے، وہ یہ ہے کہ پنج وقتہ فرض نماز پوری پابندی کے ساتھ قائم رکھیں، فریضۂ زکوٰۃ ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خُلوصِ نیت کے ساتھ صَرف کریں۔ آخر میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ جو بھلائی کے کام تم دنیا میں انجام دو گے، وہ ضائع نہیں جائیں گے بلکہ اُن کی حیثیت اُس سامان کی سی ہے جو ایک مسافر اپنی مستقل قیام گاہ پر پہلے سے بھیج دیتا ہے۔ اللہ کے ہاں پہنچ کر تم وہ سب کچھ موجود پاؤ گے جو دنیا میں تم نے آگے روانہ کیا ہے، اور یہ پیشگی سامان نہ صرف یہ کہ اُس سامان سے بہت بہتر ہے جو تمھیں دنیا ہی میں چھوڑ جانا ہے، بلکہ اللہ کے ہاں تمھیں اپنے بھیجے ہوئے اصل مال سے بڑھ کر بہت بڑا اجر بھی ملے گا۔

QuranUrdu.com

آیاتھا ۲۰ رکوعاتھا ۲

سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ

مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ

اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے[1]! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم[2]، آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کرلو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو[3]، اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھو[4]۔ ہم تم پر ایک

---

۱ – اِن الفاظ کے ساتھ حضورؐ کو مخاطب کرنے اور پھر یہ حکم دینے سے کہ آپؐ اٹھیں اور راتوں کو عبادت کے لیے کھڑے رہا کریں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت یا تو آپؐ سو چکے تھے یا سونے کے لیے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھے۔ اس موقع پر آپؐ کو اَے نبی، یا اَے رسول کہہ کر خطاب کرنے کے بجائے ''اَے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے'' کہہ کر پکارنا ایک لطیف اندازِ خطاب ہے، جس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اب وہ دَور گزر گیا جب آپؐ آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتے تھے۔ اب آپؐ پر ایک کارِ عظیم کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے جس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔

۲ – اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک، یہ کہ رات نماز میں کھڑے رہ کر گزارو اور اس کا کم حصّہ سونے میں صَرف کرو۔ دوسرا، یہ کہ پوری رات نماز میں گزار دینے کا مطالبہ تم سے نہیں ہے، بلکہ آرام بھی کرو اور رات کا ایک قلیل حصّہ عبادت میں بھی صَرف کرو۔ لیکن آگے کے مضمون سے پہلا مطلب ہی زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور اسی کی تائید سورۂ دہر کی آیت ۲۶ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا، ''رات کو اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو اور رات کا طویل حصّہ اُس کی تسبیح کرتے ہوئے گزارو۔''

۳ – یہ اُس مقدارِ وقت کی تشریح ہے جسے عبادت میں گزارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس میں آپؐ کو اختیار دیا گیا کہ خواہ آدھی رات نماز میں صَرف کریں، یا اس سے کچھ کم کردیں، یا اس سے کچھ زیادہ۔ لیکن اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قابلِ ترجیح آدھی رات ہے، کیونکہ اُسی کو معیار قرار دے کر کمی وبیشی کا اختیار دیا گیا ہے۔

۴ – یعنی تیز تیز رواں دواں نہ پڑھو، بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک ایک آیت

QuranUrdu.com

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝٥ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ

بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔[۵] درحقیقت رات کا اُٹھنا[۶] نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر[۷]

پڑھیرو، تاکہ ذہن پُوری طرح کلامِ الٰہی کے مفہُوم و مدّعا کو سمجھے اور اس کے مضامین سے متأثّر ہو۔ کہیں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اس کی عظمت و ہیبت دل پر طاری ہو۔ کہیں اس کی رحمت کا بیان ہے تو دل جذباتِ تشکُّر سے لبریز ہو جائے۔ کہیں اس کے غضب اور اس کے عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو۔ کہیں کسی چیز کا حکم ہے یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہے تو سمجھا جائے کہ کس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ غرض یہ قراءت محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے ادا کر دینے کے لیے نہیں بلکہ غور و فکر اور تدبُّر کے ساتھ ہونی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا طریقہ حضرت اَنَسؓ سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ آپؐ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ مثال کے طور پر انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر بتایا کہ آپؐ اللہ، رحمٰن اور رحیم کو مدّ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری) حضرت اُمِّ سَلَمَہؓ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ حضورؐ ایک ایک آیت کو الگ الگ پڑھتے تھے اور ہر آیت پر ٹھیرتے جاتے تھے، مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھ کر رُک جاتے، پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر ٹھیرتے اور اس کے بعد رُک کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہتے۔ (مُسندِ احمد، ابوداؤد، ترمذی) دوسری ایک رِوایت میں حضرت اُمِّ سَلَمَہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضورؐ ایک ایک لفظ واضح طور پر پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی، نَسائی) حضرت حُذَیفہ بن یَمانؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضورؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو آپؐ کی قراءت کا یہ انداز دیکھا کہ جہاں تسبیح کا موقع آتا وہاں تسبیح فرماتے، جہاں دُعا کا موقع آتا وہاں دعا مانگتے، جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ مانگتے۔ (مسلم، نَسائی) حضرت ابو ذَرؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کی نماز میں جب حضورؐ اِس مَقام پر پہنچے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اگر تُو انھیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تُو ان کو معاف فرما دے تو تُو غالب اور دانا ہے) تو اسی کو دُہراتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ (مُسندِ احمد، بخاری)

۵- مطلب یہ ہے کہ تم کو رات کی نماز کا یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ ایک بھاری کلام ہم تم پر نازل کر رہے ہیں جس کا بار اٹھانے کے لیے تم میں اس کے تحمُّل کی طاقت پیدا ہونی ضروری ہے، اور یہ طاقت تمھیں اِسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر نماز کے لیے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کچھ کم و بیش عبادت میں گزارا کرو۔ قرآن کو بھاری کلام اس بنا پر بھی کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا، اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت کو لے کر ساری دنیا کے مقابلے میں اٹھنا، اور اس کے مطابق عقائد و افکار، اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدُّن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کر دینا ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام

QuranUrdu.com

کام کا تصوُّر نہیں کیا جاسکتا۔ اور اِس بنا پر بھی اس کو بھاری کلام کہا گیا ہے کہ اس کے نُزول کا تحمُّل بڑا دشوار کام تھا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپؐ اپنا زانو میرے زانو پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے زانو پر اس وقت ایسا بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا اب ٹوٹ جائے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مَیں نے سخت سردی کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے، آپؐ کی پیشانی سے اُس وقت پسینا ٹپکنے لگتا تھا۔ (بخاری، مسلم، مالک، تِرمِذِی، نَسائی) ایک اور رِوایَت میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب کبھی آپؐ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپؐ اونٹنی پر بیٹھے ہوں تو اُونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیتی تھی اور اس وقت تک حرکت نہ کر سکتی تھی جب تک نزولِ وحی کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا۔ (مُسنَدِ احمد، حاکم، ابنِ جَرِیر)

۶ – اصل میں لفظ نَاشِئَةَ الَّيْلِ استعمال کیا گیا ہے، جس کے متعلّق مفسرین اور اہلِ لغت کے چار مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ناشئہ سے مراد نفسِ ناشئہ ہے، یعنی وہ شخص جو رات کو اٹھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رات کے اوقات ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے معنٰی ہیں رات کو اٹھنا۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس لفظ کا اطلاق محض رات کو اُٹھنے پر نہیں ہوتا بلکہ سو کر اُٹھنے پر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ اور مجاہدؒ نے اِسی چوتھے قول کو اختیار کیا ہے۔

۷ – اصل میں لفظ اَشَدُّ وَطْاً استعمال ہوا ہے جس کے معنٰی میں اتنی وسعت ہے کہ کسی ایک فقرے میں اسے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ رات کو عبادت کے لیے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چونکہ طبیعت کے خلاف ہے اور نفس اُس وقت آرام کا مطالبہ کرتا ہے، اس لیے یہ فعل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ اس طریقے سے جو شخص اپنے آپ پر قابو پالے اور اپنے جسم و ذہن پر تسلُّط حاصل کر کے اپنی اِس طاقت کو خدا کی راہ میں استعمال کرنے پر قادر ہو جائے، وہ زیادہ مضبوطی کے ساتھ دینِ حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے کام کر سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دل اور زبان کے درمیان مُوافقت پیدا کرنے کا بڑا مؤثّر ذریعہ ہے، کیونکہ رات کے اِن اوقات میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا اور اس حالت میں آدمی جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ اس کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی کے ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے، کیونکہ رات کی تنہائی میں جو شخص اپنا آرام چھوڑ کر عبادت کے لیے اٹھے گا، وہ لامحالہ اخلاص ہی کی بنا پر ایسا کرے گا، اس میں رِیا کاری کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت چونکہ دن کی عبادت کی بہ نسبت آدمی پر زیادہ گراں ہوتی ہے، اس لیے اس کا التزام کرنے سے آدمی میں بڑی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے، وہ خدا کی راہ میں زیادہ مضبوطی کے ساتھ چل سکتا ہے اور اس راہ کی مشکلات کو زیادہ استقامت کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے۔

QuranUrdu.com

اَقْوَمُ قِيْلًا ۝٦ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝٧ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ
وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝٨ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝٩ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝١٠

اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے[8]۔ دن کے اوقات میں تو تمھارے لیے بہت مصروفیات ہیں۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو[9] اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا اُسی کو اپنا وکیل بنا لو[10]۔ اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ اُن سے الگ ہو جاؤ[11]۔

۸- اصل میں اَقْوَمُ قِيْلًا ارشاد ہوا ہے، جس کے لغوی معنٰی ہیں: ''قول کو زیادہ راست اور درست بناتا ہے۔'' لیکن مدّعا یہ ہے کہ اُس وقت انسان قرآن کو زیادہ سُکون و اطمینان اور توجہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھ سکتا ہے۔ ابنِ عباسؓ اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ اجدر ان یفقہ فی القراٰن، یعنی ''وہ اِس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ آدمی قرآن میں غور و خوض کرے۔'' (ابوداؤد)

۹- دن کے اوقات کی مصروفیتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ ارشاد کہ ''اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو'' خود بخود یہ مفہوم ظاہر کرتا ہے کہ دنیا میں ہر طرح کے کام کرتے ہوئے بھی اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا ذکر کرتے رہو۔ (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۶۳)

۱۰- وکیل اُس شخص کو کہتے ہیں جس پر اعتماد کر کے کوئی شخص اپنا معاملہ اُس کے سُپرد کر دے۔ قریب قریب اِسی معنٰی میں ہم اُردو زبان میں وکیل کا لفظ اُس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کے حوالے اپنا مقدّمہ کر کے ایک آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ اِس کی طرف سے وہ اچھی طرح مقدمہ لڑے گا اور اسے خود اپنا مقدمہ لڑنے کی حاجت نہ رہے گی۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی دعوت پیش کرنے پر تمھارے خلاف مخالفتوں کا جو طوفان اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور جو مشکلات تمھیں پیش آ رہی ہیں، اُن پر کوئی پریشانی تم کو لاحق نہ ہونی چاہیے۔ تمھارا رب وہ ہے جو مشرق و مغرب، یعنی ساری کائنات کا مالک ہے، جس کے سوا خدائی کے اختیارات کسی کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ تم اپنا معاملہ اُسی کے حوالے کر دو اور مطمئن ہو جاؤ کہ اب تمھارا مقدّمہ وہ لڑے گا، تمھارے مخالفین سے وہ نمٹے گا اور تمھارے سارے کام وہ بنائے گا۔

۱۱- الگ ہو جاؤ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے مُقاطَعہ کر کے اپنی تبلیغ بند کر دو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے

QuranUrdu.com

وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَیْنَاۤ
اَنْكَالًا وَّ جَحِیْمًا ﴿۱۲﴾ لا وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳﴾ ق یَوْمَ
تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ﴿۱۴﴾

اِن جھُٹلانے والے خوش حال لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو[۱۲] اور اِنھیں ذرا کچھ دیر اِسی حالت پر رہنے دو۔ ہمارے پاس (اِن کے لیے) بھاری بیڑیاں ہیں[۱۳] اور بھڑکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب۔ یہ اُس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اُٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسا ہو جائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں[۱۴]۔

کہ ان کے منہ نہ لگو، ان کی بیہودگیوں کو بالکل نظر انداز کر دو، اور ان کی کسی بدتمیزی کا جواب نہ دو۔ پھر یہ احتراز بھی کسی غم اور غصّے اور جھُنجلاہٹ کے ساتھ نہ ہو، بلکہ اُس طرح کا احتراز ہو جس طرح ایک شریف آدمی کسی بازاری آدمی کی گالی سُن کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور دل پر مَیل تک نہیں آنے دیتا۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل کچھ اِس سے مختلف تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی۔ اصل میں تو آپؐ پہلے ہی سے اِسی طریقے پر عمل فرما رہے تھے، لیکن قرآن میں یہ ہدایت اس لیے دی گئی کہ کفّار کو بتا دیا جائے کہ تم جو حرکتیں کر رہے ہو ان کا جواب نہ دینے کی وجہ کمزوری نہیں ہے بلکہ اللہ نے ایسی باتوں کے جواب میں اپنے رسول کو یہی شریفانہ طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

۱۲- اِن الفاظ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مکّہ میں دراصل جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جُھٹلا رہے تھے اور طرح طرح کے فریب دے کر اور تعصّبات ابھار کر عوام کو آپؐ کی مخالفت پر آمادہ کر رہے تھے، وہ قوم کے کھاتے پیتے، پیٹ بھرے، خوش حال لوگ تھے، کیونکہ انھی کے مفاد پر اسلام کی اِس دعوتِ اصلاح کی زد پڑ رہی تھی۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص نہ تھا، بلکہ ہمیشہ یہی گروہ اصلاح کی راہ روکنے کے لیے سنگِ گراں بن کر کھڑا ہوتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر مُلاحظہ ہو: الاعراف، آیت ۶۰، ۶۶، ۷۵، ۸۸۔ المومنون، ۳۳۔ سبا، ۳۴-۳۵۔ الزُّخرُف، ۲۳۔

۱۳- جہنّم میں بھاری بیڑیاں مجرموں کے پاؤں میں اس لیے نہیں ڈالی جائیں گی کہ وہ بھاگ نہ سکیں، بلکہ اس لیے ڈالی جائیں گی کہ وہ اٹھ نہ سکیں۔ یہ فرار سے روکنے کے لیے نہیں بلکہ عذاب کے لیے ہوں گی۔

۱۴- چونکہ اُس وقت پہاڑوں کے اجزا کو باندھ کر رکھنے والی کشش ختم ہو جائے گی، اس لیے

QuranUrdu.com

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَٰهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ ٱلرَّسُولَ فَأَخَذْنَٰهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ
تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ ٱلْوِلْدَٰنَ شِيبًا ﴿١٧﴾ ٱلسَّمَآءُ مُنفَطِرٌۢ بِهِۦ
كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ

تم[15] لوگوں کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسولؐ تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے[16] جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسولؐ بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو کہ جب) فرعون نے اُس رسُولؐ کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر تم ماننے سے انکار کرو گے تو اُس دن کیسے بچ جاؤ گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا[17] اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہو گا؟ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہنا ہے۔ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ

پہلے تو وہ باریک بھُربھُری ریت کے ٹیلے بن جائیں گے، پھر جو زلزلہ زمین کو ہلا رہا ہو گا، اس کی وجہ سے یہ ریت بکھر جائے گی اور ساری زمین ایک چَٹیَل میدان بن جائے گی۔ اسی آخری کیفیّت کو سورۂ طٰہٰ، آیات ۱۰۵ تا ۱۰۷ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ”لوگ تم سے پُوچھتے ہیں کہ اِن پہاڑوں کا کیا بنے گا۔ کہو: میرا رب ان کو دُھول بنا کر اُڑا دے گا اور زمین کو ایسا ہموار چَٹیَل میدان بنا دے گا کہ اس میں تم کوئی بَل اور سَلوَٹ نہ دیکھو گے۔“

۱۵- اب مکہ کے اُن کفّار کو خطاب کیا جا رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جُھٹلا رہے تھے اور آپؐ کی مخالفت میں سرگرم تھے۔

۱۶- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر گواہ بنا کر بھیجنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپؐ دنیا میں اُن کے سامنے اپنے قول اور عمل سے حق کی شہادت دیں، اور یہ بھی کہ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی عدالت برپا ہو گی، اُس وقت آپؐ یہ گواہی دیں کہ مَیں نے اِن لوگوں کے سامنے حق پیش کر دیا تھا۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، البقرہ، حاشیہ ۱۴۴، النساء، حاشیہ ۶۴۔ جلد دوم، النحل، آیت ۸۴ و ۸۹۔ جلد چہارُم، الاحزاب، حاشیہ ۸۲۔ جلد پنجم، الفتح، حاشیہ ۱۴)

۱۷- یعنی اوّل تو تمھیں ڈرنا چاہیے کہ اگر ہمارے بھیجے ہوئے رسول کی بات تم نے نہ مانی تو وہ بُرا انجام تمھیں دنیا ہی میں دیکھنا ہو گا جو فرعون اس سے پہلے اسی جرم کے نتیجے میں دیکھ چکا ہے۔ لیکن اگر فرض کرو کہ دنیا میں تم

QuranUrdu.com

ع ۱۹ ۱۳

سَبِيۡلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰى مِنۡ ثُلُثَىِ الَّيۡلِ وَنِصۡفَهٗ وَ
ثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ‌ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ‌ؕ عَلِمَ

اختیار کر لے ع

اے نبیؐ[18]! تمھارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات، اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو[19]، اور تمھارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے[20]۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے، اُسے معلوم ہے

پر کوئی عذاب نہ بھی بھیجا گیا تو روزِ قیامت کے عذاب سے کیسے بچ نکلو گے؟

۱۸- یہ آیت جس کے اندر نمازِ تہجّد کے حکم میں تخفیف کی گئی ہے، اِس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے مُسندِ احمد، مسلم اور ابوداؤد میں یہ روایت منقول ہے کہ پہلے حکم کے بعد یہ دوسرا حکم ایک سال کے بعد نازل ہوا اور رات کا قیام فرض سے نفل کر دیا گیا۔ دوسری روایت حضرت عائشہؓ ہی سے، ابنِ جَریر اور ابنِ ابی حاتم نے یہ نقل کی ہے کہ یہ حکم پہلے حکم کے ۸ مہینے بعد آیا تھا، اور ایک تیسری روایت جو ابنِ ابی حاتم نے انھی سے نقل کی ہے، اس میں سولہ مہینے بیان کیے گئے ہیں۔ ابوداؤد، ابنِ جَریر اور ابنِ ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک سال کی مدّت نقل کی ہے۔ لیکن حضرت سعید بن جُبَیر کا بیان ہے کہ اس کا نُزول دس سال بعد ہوا ہے۔ (ابنِ جَریر و ابنِ ابی حاتم) ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ پہلے رُکوع کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ وہ مکّۂ معظّمہ میں نازل ہوا ہے، اور وہاں بھی اُس کا نزول ابتدائی دَور میں ہوا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز ہونے پر زیادہ سے زیادہ چار سال گزرے ہوں گے۔ بخلاف اِس کے یہ دوسرا رکوع اپنے مضامین کی صریح شہادت کے مطابق مدینہ کا نازل شدہ معلوم ہوتا ہے، جب کفار سے جنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی آ چکا تھا۔ اس بنا پر لامحالہ ان دونوں رُکوعوں کے زمانۂ نزول میں کم از کم دس سال کا فاصلہ ہی ہونا چاہیے۔

۱۹- اگرچہ ابتدائی حکم آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش کھڑے رہنے کا تھا، لیکن چونکہ نماز کی مَحوِیت میں وقت کا اندازہ نہ رہتا تھا، اور گھڑیاں بھی موجود نہ تھیں کہ اوقات ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکیں، اس لیے کبھی دو تہائی رات تک عبادت میں گزر جاتی تھی، اور کبھی یہ مدّت گھٹ کر ایک تہائی رہ جاتی تھی۔

۲۰- ابتدائی حکم میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خطاب کیا گیا تھا، اور آپؐ ہی کو قیامِ لَیل کی ہدایت فرمائی گئی تھی، لیکن مسلمانوں میں اُس وقت حضوؐر کے اتباع اور نیکیاں کمانے کا جو غیر معمولی جذبہ پایا جاتا تھا، اس کی

QuranUrdu.com

اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ
سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ
فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ

کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے، لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی، اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو، پڑھ لیا کرو۔[۲۱] اُسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے، کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں[۲۲]، اور کچھ اور لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں[۲۳]۔ پس جتنا قرآن بآسانی پڑھا جا سکے

بنا پر اکثر صحابۂ کرامؓ بھی اِس نماز کا اہتمام کرتے تھے۔

۲۱ - چونکہ نماز میں طول زیادہ تر قرآن کی طویل قراءت ہی سے ہوتا ہے، اس لیے فرمایا کہ تہجُّد کی نماز میں جتنا قرآن بسہولت پڑھ سکو پڑھ لیا کرو، اس سے نماز کی طوالت میں آپ سے آپ تخفیف ہو جائے گی۔ اس ارشاد کے الفاظ اگرچہ بظاہر حکم کے ہیں، لیکن یہ امر مُتَّفَق عَلَیہ ہے کہ تہجد فرض نہیں بلکہ نفل ہے۔ حدیث میں بھی صراحت ہے کہ ایک شخص کے پوچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا اس کے سوا بھی کوئی چیز مجھ پر لازم ہے؟'' جواب میں ارشاد ہوا: ''نہیں، اِلّا یہ کہ تم اپنی خوشی سے کچھ پڑھو۔'' (بخاری و مسلم)

اِس آیت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز میں جس طرح رکوع و سجود فرض ہے، اسی طرح قرآنِ مجید کی قراءت بھی فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسرے مَقامات پر رکوع یا سجود کے الفاظ استعمال کر کے نماز مراد لی ہے، اسی طرح یہاں قرآن کی قراءت کا ذکر کیا ہے اور مراد اس سے نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔ اِس اِستِنباط پر اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب نمازِ تہجُّد خود نفل ہے تو اس میں قرآن پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفل نماز بھی جب آدمی پڑھے تو اس میں نماز کی تمام شرائط پوری کرنا اور اس کے تمام ارکان و فرائض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ نفل نماز کے لیے کپڑوں کی طہارت، جسم کا پاک ہونا، وضو کرنا اور ستر چھُپانا واجب نہیں ہے اور اس میں قیام و قعود اور رکوع و سجود بھی نفل ہی ہیں۔

۲۲ - جائز اور حلال طریقوں سے رزق کمانے کے لیے سفر کرنے کو قرآنِ مجید میں جگہ جگہ اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۳ - یہاں اللہ تعالیٰ نے پاک رزق کی تلاش اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر جس طرح ایک ساتھ کیا ہے اور بیماری کی مجبُوری کے علاوہ اِن دونوں کاموں کو نمازِ تہجّد سے معافی یا اس میں تخفیف کا سبب قرار دیا ہے،

QuranUrdu.com

مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ

وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ

اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ ع

ع ۲ ۱۴

پڑھ لیا کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو[24] اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔[25] جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔[26] اللہ سے مغفرت مانگتے رہو، بے شک اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ ع

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں جائز طریقوں سے روزی کمانے کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی رِوایَت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من جالبٍ یجلبُ طعامًا الی بلدٍ من بلدٍ ان المسلمین فیبیعه لِسِعْرِ یومِهٖ الا کانت منزلتهٗ عنداللّٰه ثم قرأ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ ...... ”جو شخص مسلمانوں کے کسی شہر میں غلّہ لے کر آیا اور اُس روز کے بھاؤ پر اسے بیچ دیا، اس کو اللہ کا قرب نصیب ہوگا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی۔“ (ابنِ مَرْدُوْیَہ)

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا: ما من حال یاتینی علیه الموت بعد الجهاد فی سبیل اللّٰه احبّ الی من ان یاتینی وانا بین شِعبتَی جبل التمس من فضل اللّٰه وقرأ هٰذه الاٰیة۔ ”جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی دَرّے سے گزر رہا ہوں اور وہاں مجھ کو موت آجائے، پھر انھوں نے یہی آیت پڑھی۔“ (بَیْہَقی فی شُعَب الایمان)

۲۴ – مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد پنج وقتہ فرض نماز اور فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

۲۵ – ابنِ زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ اپنا مال خدا کی راہ میں صَرف کرنا ہے، خواہ وہ جہاد فی سبیل اللہ ہو، یا بندگانِ خدا کی مدد ہو، یا رفاہِ عام ہو، یا دوسرے بھلائی کے کام۔ اللہ کو قرض دینے اور اچھا قرض دینے کے مطلب کی تشریح ہم اس سے پہلے متعدِّد مقامات پر کر چکے ہیں۔ مُلاحَظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، البقرہ، حاشیہ ۲۶۷۔ المائدہ، حاشیہ ۳۳۔ جلد پنجم، الحدید، حاشیہ ۱۶۔

۲۶ – مطلب یہ ہے کہ تم نے آگے اپنی آخرت کے لیے جو کچھ بھیج دیا، وہ تمھارے لیے اُس سے زیادہ

QuranUrdu.com

نافع ہے جو تم نے دنیا ہی میں روک رکھا اور کسی بھلائی کے کام میں اللہ کی رضا کی خاطر خرچ نہ کیا۔ حدیث میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ایکم مالہ احب الیہ من مال وارثہ؟ ''تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبُوب ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبُوب نہ ہو۔ فرمایا: اعلموا ما تقولون۔ ''سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ہمارا حال واقعی یہی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما مال احدکم ما قدّم ومال وارثہ ما اخّر۔ ''تمھارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لیے آگے بھیج دیا۔ اور جو کچھ تم نے روک کر رکھا وہ تو وارث کا مال ہے۔'' (بخاری، نَسائی، مُسنَدِ ابو یَعلیٰ)